تیسیر القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی(۱۹۲۲ء – ۱۹۹۵ء) – تفسیر بالماثور کا ایک عمدہ نمونہ

عاصم نعیم*

The Quran occupies a pivotal position in the Muslim society. It is the guidance par-excellence. So there is a vast literature appeared comprising the meanings commentaries, and the various aspects of Quranic Teachings. Maulana Abdur Rehman Kailani, is a famous Islamic Scholar, who also write a commentary of the Quran based as the traditions of the Holy Prophet (Peace be upon him). The learned scholar wrote a number of books covering many fields of Islamic Studies. His exegesis "Taiseer-ul-Quran" is a quality work of Quranic commentaries in the light of traditions (Ahadith). The scholar has explained the verses with reference to correct traditions, authentic historical facts. In matters of philology and language, he accepted to best authority. Overall it is one of the best and easiest commentaries of the Quran.

تفسیر بالماثور کے طرز پر لکھی گئی چار جلدوں پر مشتمل تفسیر مصنف موصوف، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی قرآن سے محبت کا ایک ثبوت ہے۔ تفسیر بالماثور کے ساتھ ساتھ محمود و مستحسن رائے کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ مفردات کی وضاحت، فقہی و کلامی مباحث بھی تفسیر کا حصہ ہیں۔ تفسیر کے مؤلف کا تعارف ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا تعارف

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی(۱۹۲۲ء۔۱۹۵۵ء) کیلیاں والا ضلع گوجرانوالہ کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کا آبائی پیشہ کتابت تھا۔ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھا کر اور کبھی دکان کے ذریعہ اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ تاہم امتحانات میں عموماً اعلیٰ کارکردگی دکھائی۔ مختصر عرصہ کے لیے فوج میں ملازمت کی۔ بعد ازاں وہاں سے

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

استعفیٰ دے کر کتابت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۵ء تک اردو کتابت کی اور اس وقت کے سب سے معروف ادارے فیروز سنز سے منسلک رہے۔۱۹۶۵ء میں قرآن مجید کی کتابت شروع کی اور تاج کمپنی کے لیے کام کرتے رہے۔ مولانا نے پچاس (۵۰) کے قریب قرآن پاک کی کتابت کی سعادت حاصل کی۔ کتابت کے سلسلہ میں خاندان کے بہت سے لوگوں کو کتابت سکھا با عزت روز گار پر لگا دیا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد جب انہیں فکر معاش سے قدرے آزادی نصیب ہوئی تو تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔

مرحوم نے معاشرت، معیشت، سیاست، عقائد اور جدید دینی مسائل پر تحقیق و تنقید کی اور علمی حلقوں میں داد تحسین پائی۔ ان کی تصانیف میں **مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت، شریعت و طریقت، خلافت و جمہوریت، تجارت اور لین دین کے مسائل عقل پرستی اور انکار معجزات، روح، عذاب قبر اور سماع موتی احکام ستر و حجاب، اسلام میں دولت کے مصلف** اور **الشمس والقمر بحسبان**، شامل ہیں۔ **تیسیر القرآن** ان کی عمر کے آخری سالوں کی کاوش کا ماحصل ہے۔ ان کا ایک اور علمی و دینی کارنامہ "مدرسہ تدریس القرآن والحدیث للبنات" لاہور ہے۔ اس ادارے سے سیکڑوں کی تعداد میں لڑکیاں دینی علوم سے آراستہ ہو چکی ہیں۔۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کو نماز عشاء میں سجدہ کی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔[۱]

تیسیر القرآن:

تیسیر القرآن مصنف موصوف کی قرآن سے محبت اور دل چسپی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ قرآن اور عربی زبان سے شغف انہیں بچپن ہی سے تھا۔ تاج کمپنی سے منسلک رہتے ہوئے انہوں نے قرآن مجید کی کتابت کا نہایت نازک اور خوش گوار فریضہ بھی سرانجام دیا۔ عمر کے اخیر حصہ میں تفسیر قرآن کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی وفات سے قبل وہ اس کام

کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ تفسیر کی اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔ چار جلدوں میں عمدہ کاغذ پر تصحیح و تخریج کے ساتھ اس تفسیر کو شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

تفسیر کی چند خوبیاں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

تفسیر بالماثور و بالرائے المقبول کا حسین امتزاج

تفسیر بالماثور کے طور پر لکھی جانے والی تفاسیر میں عموماً یہ مشکلات پیش آتی ہیں کہ ایک موضوع سے متعلقہ منتشر اقوال اور افکار کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ اسرائیلیات کی بھرمار ہوتی ہے اور بیسیوں اقوال قاری کو جداگانہ مفہوم دے رہے ہوتے ہیں۔ جس سے ایک مفہوم کا تعین کرنا اور قرآن کے مدعا کا واضح ہونا بسا اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح احادیث جو کہ تفسیر قرآن کی بنیاد ہیں، میں بعض اوقات صحیح و ضعیف روایات میں امتیاز قائم نہیں رکھا جاتا۔ اس بنا پر تفسیر بالماثور جو تفسیر کی اہم ترین بنیاد ہے، سے استفادہ بھی مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ان کثیر آراء و افکار میں سے صائب آرا کے چناؤ اور احادیث و آثار میں سے صحیح احادیث کا اہتمام کرنے کے لیے ذکاوت و فراست اور علمی پختگی کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ ایجاز واختصار اور جامعیت کے لیے خصوصی تجربہ درکار ہے۔ مولانا مرحوم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ اس تفسیر میں منتشر افکار میں سے چند قریب الصواب آراء کو ذکر کر کے ان کا علمی تجزیہ بھی پیش کر دیا گیا ہے جس سے قاری کسی واضح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور کلام الٰہی میں دیگر امکانات کی طرف اشارے بھی اس کو مل جاتے ہیں۔

تفسیر بالماثور کے نمونے:

زیر نظر تفسیر کی بنیاد اس فکر پر قائم ہے کہ مؤلف مرحوم تفسیر بالحدیث کا ایک منتخب نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے جس کے لیے تیس ۳۰ برس قبل اپنی بڑی بیٹی کو انہوں نے ایسی صحیح احادیث کے انتخاب کا کام سونپ رکھا تھا جس کی بنا پر تفسیر کا مبارک کام سرانجام دیا جاسکے۔ اس بنا پر اس تفسیر میں وسیع ذخیرہ حدیث کو شامل کیا گیا ہے۔ دور حاضر میں صحیح و ضعیف احادیث کی بابت

امت میں خصوصی ذوق پھیل جانے اور خود مصنف کے اس کا خاص اہتمام کرنے کی بدولت اس تفسیر میں احادیث کی صحت کا بھی بقدر امکان التزام کیا گیا ہے۔

مثال:

آیت کریمہ: حٰفِظُوْا عَلَي الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ [2] (نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالٰی کے لئے باادب کھڑے رہا) کی تفسیر میں عنوان "نماز وسطٰی سے مراد نماز عصر ہے اور اس کی تاکید مزید" کے تحت فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ نے خندق کے دن فرمایا۔ ان کافروں نے مجھے درمیانی نماز نہ پڑھنے دی، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر) نیز سیدنا ابن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ دونوں سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "صلوٰۃ وسطٰی نماز عصر ہے۔ (ترمذی۔ ابواب التفاسیر) سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز قضا ہو گئی اس کا گھر بار، مال واسباب سب لٹ گیا۔ (بخاری، کتاب مواقیت الصلوة، باب اثم من فاتته العصر) اور بالخصوص اس نماز کی تاکید اس لیے فرمائی کہ دنیوی مشاغل کے لحاظ سے یہ وقت بہت اہم ہوتا ہے۔ [3]

آیت کریمہ کے اگلے ٹکڑے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ [4] (اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو) کے تحت نماز کے چند آداب یعنی نماز میں باادب کھڑے ہونے کا حکم، صف درست کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کا حکم، نماز کے دوران کون کون سے کام کرنا جائز یا ضروری ہیں، نماز خوف پڑھنے کا طریقہ اور دین میں آسانی کی ایک مثال وغیرہ--- ان سب عنوانات کے تحت متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ احادیث ہیں جو مفسر ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں درج کی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے تفسیر ابن کثیر سے کافی

استفادہ کیا ہے۔ مصنف کا انداز تفسیر خالصتاً تفسیر بالماثور کا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کئی مواقع پر اسرائیلیات سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات میں بغیر حوالہ کے یہ بات لکھی ہے کہ وہ اتنے جرأت مند اور طاقتور تھے کہ اگر کوئی درندہ ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کے نچلے جبڑے پر پاؤں رکھ کر اوپر کے جبڑے کو اس زور سے کھینچتے تھے کہ اسے چیر کر رکھ دیتے تھے۔[۵]

احادیث درج کرنے میں روایت کو ہی دیکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی احادیث کو اولیت واہمیت دی ہے۔ درایتی و عقلی نقطہ نظر سے احادیث کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کرتے۔ بعض سورتوں اور آیتوں کی فضیلت میں نمبروار حدیثیں درج کی ہیں۔ جیسے آیت الکرسی کی فضیلت میں کئی روایات درج کی ہیں۔[۶]

بعض تفصیلات جو اسرائیلی روایات میں آئی ہیں، ان کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جیسے آیت:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى [۷] کے ذیل میں لکھا ہے:

اس آیت کی جزئیات میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ چاروں پرندے ایک ہی جنس کے تھے یا الگ الگ جنسوں کے، جزأ سے مراد ان کو ذبح کر کے اور قیمہ بنا کر چاروں پرندوں کے گوشت کو ملا دینا ہے یا فقط ٹکڑے کر دینا ہی کافی ہے۔ یہ پہاڑ بھی آیا ، چار (۴) ہی تھے، جن پر ایک ایک حصہ رکھا گیا یا کم و بیش تھے، جن پر بانٹ کر ہر حصہ رکھا گیا۔ کیا ان پرندوں کے سر سیدنا ابراہیمؑ نے ان حصوں میں ہی ملا دیے تھے یا اپنے پاس ہی رکھے تھے۔ یہ سب تفصیلات مقصد کے لحاظ سے بے معنیٰ ہیں۔ مقصد تو صرف یہ تھا کہ موت کے بعد مردہ جسم کی کوئی بھی پیچیدہ سے پیچیدہ صورت بن جائے تو اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ ہر طرح کے مردہ کو زندہ کر دکھائے۔[۸]

حسب ضرورت واقعات سیرت کا بیان بھی موجود ہے۔ جیسے بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ، عام الحزن، واقعہ طائف، ہجرت مدینہ، غزوات نبوی ﷺ، دعوت نبوی ﷺ کے مختلف مراحل، قریش مکہ کی مخالفت کے مختلف مظاہر اور دیگر واقعات کا بیان موجود ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ [9] کے تحت نماز کے فضائل اور اہمیت، نماز باجماعت کی فضیلت اور فوائد کے عنوانات کے تحت متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ جس سے عنوان مبرہن ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ بخاری و مسلم کی احادیث ہی عموماً درج کی ہیں۔ یعنی صحیحین کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ تاہم دوسری کتب احادیث جیسے مسند احمد، سنن دارمی، سنن بیہقی وغیرہ کی روایات بھی مندرج ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ [10] (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو۔۔۔) کی وضاحت میں مختلف کتب احادیث سے چھپن ۵۶ احادیث طیبہ ذکر کی ہیں۔ ان کتب میں کتب ستہ، سنن اربعہ، مشکوٰۃ اور موطا جیسی امہات کتب احادیث شامل ہیں۔[11]

غرض یہ کہ مذکورہ تفسیر، تفسیر بالماثور کا عمدہ نمونہ ہے۔ ضعیف احادیث بہت کم جب کہ موضوعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ احادیث کی روشنی میں قرآن کا مطالعہ ہے۔ یہ تفسیر طالب علموں کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف موصوف عنوان قائم کر کے نمبروار حدیثیں درج کرتے ہیں۔ حرمت شراب کے ضمن میں بھی کتب ستہ اور دیگر مشہور کتب حدیث کی پندرہ ۱۵ احادیث ترتیب سے بیان کی ہیں۔[12]

تاریخی معلومات:

آیت کریمہ: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭوَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭوَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ [13]

(اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے پس اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔)

کی تفسیر عام مفسرین کی نسبت منفرد انداز میں کی ہے۔ آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد مکی و مدنی زندگی میں ہونے والے قاتلانہ حملوں کو ترتیب وار بیان کیا ہے اور اہم تاریخی واقعات سے استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

آپ ﷺ کا زمانہ نبوت تئیس [۲۳] سالہ ہے۔ ابتدائی تین سال تو انتہائی خفیہ تبلیغ کے ہیں۔ باقی بیس سال کے عرصہ میں آپ ﷺ پر سترہ بار قاتلانہ حملے یا آپ ﷺ کو قتل کر دینے کی سازشیں تیار ہوئیں۔ ان میں سے نو [۹] حملے تو قریش مکہ کی طرف سے ہوئے، تین [۳] یہود سے، تین بدوی قبائل سے، ایک منافقین سے اور ایک شاہ ایران خسرو پرویز سے اور غالباً اس دنیا میں کسی بھی دوسرے شخص پر اتنی بار قاتلانہ حملے نہیں ہوئے اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر کے یا مدد کر کے آپ ﷺ کو دشمنوں سے بچا کر اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب ہم ان قاتلانہ حملوں کے واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ مختصراً ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔[۱۴]

اس طرح مولانا نے ان سترہ [۱۷] حملوں کی تفصیل کتب احادیث و سیرت سے استشہاد کر کے بیان کی ہے۔ بہر حال ربط کی نسبتاً کمی ہے۔ ایک آیت کی تفسیر کو دوسری سے یا آیات کی تفسیر میں باہم ربط پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

مفردات قرآنیہ کی تشریح:

فاضل مصنف کی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف "مترادفات القرآن" ہے، جس میں انہوں نے قرآن کریم میں وارد متعدد ہم معنیٰ الفاظ کے درمیان فرق بیان کیا۔ اس کتاب میں قرآنی الفاظ کے اسرار و معانی اور لطائف کو عمدگی سے بیان کیا

گیا ہے۔ تفسیر مذکور میں بھی مصنف نے قرآن حکیم کے مفردات کی وضاحت میں مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ[۱۵] (ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ وہاں بد شکل بنے ہوئے ہونگے) میں کلح کا معنی:

کلح کا لغوی معنی بد شکل ہونا یا حلیہ کا اس طرح بگڑ جانا ہے، جس سے انسان بد صورت اور ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جائے اور نیچے کا نیچے کو، اور بڑے بڑے دانت سامنے نظر آئیں، جیسے ابھی کسی کو پھاڑ کھائے گا، یعنی جہنم کی آگ ان کے چہروں کا اس طرح حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔[۱۶]

۲۔ اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ[۱۷] (یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے) لفظ مبلسون میں بلس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کے **بلس** معنی غم کی وجہ سے سخت مایوس ہو جانا یا سخت مایوسی کی وجہ سے غمگین ہونا اور پھر اسی مایوسی کی بنا پر برافروختہ ہو جانا یا بھڑک اٹھنا، یعنی ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ جوں جوں انہیں مار پڑتی ہے اور انہیں اپنی کامیابی کے امکانات ختم ہوتے نظر آتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ سیدھی راہ اختیار کریں، مزید برافروختہ ہو جاتے ہیں اور دوسری اقوام اور دوسرے مشرک قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اجتماعی طور پر مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔[۱۸]

۳۔ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ[۱۹] قال اخسئوافیھا[۱۹] میں خسأ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خسأ کا لفظ کتے اور سور کو دھتکارنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے ہم پنجابی زبان میں کتے کو دھتکارنے یا دفع کرنے کے لیے "دردر" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر اس شخص کے لیے بھی ہونے لگا جسے حقیر اور ذلیل سمجھ کر دفع ہونے یا نکل جانے کو کہا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی التجا کے جواب میں فرمائیں گے کہ تم اس

قدر ذلیل مخلوق ہو کہ تمہارا اس جہنم میں پڑے رہنا ہی مناسب ہے، اور دیکھو! آئندہ مجھ سے کوئی ایسی التجا نہ کرنا۔[۲۰]

۴۔وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ[۲۱] (دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے) اوزعني میں لفظ وزع کی لغوی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ **وزع** کا لغوی معنی روکنا یا روکے رکھنا ہے اور وزع الجیش یعنی فوج کو ترتیب وار صفوں میں رکھنا ہے۔ سیدنا سلیمانؑ دعا یہ فرمارہے ہیں کہ جس قدر تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعامات کی بارش کی ہے، اس پر کہیں میرا نفس بے قابو اور بے لگام ہو کر سرکشی کی راہ نہ اختیار کرلے۔[۲۲]

لغوی مفہوم کی عمدہ مناسبت، اصطلاحی مفہوم سے کرتے ہیں۔ قرآنی آیت وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ [۲۳] (اور لوگوں میں حج کی منادی کردے لوگ تیرے پاس پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے) کے تناظر میں ضامر کا ترجمہ بعض مترجمین نے کمزور جانور کیا ہے۔ مصنف نے اس کا ترجمہ "چھریرے بدن کے اونٹ" کیا ہے، اور اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہاں ضامر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ضامر وہ جانور ہے جو خوراک کی کمی کی وجہ سے نہیں، بلکہ سدھانے اور مشق کی کثرت اور کسرت کی وجہ سے دبلا پتلا اور چھریرے بدن والا ہو جائے، اور سبک رو یا سبک خرام ہوتا، کہ مقابلہ میں آگے نکل سکے، اور جو جانور بھوک کی کمی کی وجہ سے دبلا ہو، اسے عجف کہتے ہیں۔ عرب میں ضامر کا لفظ عموماً اونٹ کے لیے مختص ہو گیا، خواہ وہ نر ہو یا مادہ، اور اونٹ کا نام بطور خاص اس لیے لیا گیا کہ اس زمانہ میں اور اس علاقہ میں اونٹ ہی آمدورفت اور نقل و حرکت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔[۲۴]

لغوی مفاہیم کی وضاحت کے لیے کیلانی صاحب نے المنجد، منتہی الادب، فقہ اللغۃ اور قاموس جیسی کتب لغت سے استفادہ کیا ہے۔

جمہوریت کی توجیہ:

مصنف موصوف کے نزدیک جدید مغربی جمہوریت شرک فی الصفات کی ایک قسم ہے۔ آیت کریمہ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ [۲۶] کے تحت لکھتے ہیں:

> ایسے ممالک جہاں آج کل جمہوریت رائج ہے، وہاں بھی اکثر شرک کی یہ قسم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ان ملکوں میں سیاسی اقتدار اعلیٰ تو عوام کے پاس ہوتا ہے، یعنی طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ وہی جسے چاہیں اپنی رائے سے نمائندہ یا حکمران بنادیں اور قانونی اقتدار اعلیٰ اسمبلی یا پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ اسمبلی یا پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے (جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ کوئی انسان یا ادارہ ہی ہو سکتا ہے) جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے قانونی اور سیاسی مقتدر اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جمہوری ممالک میں کوئی بڑی سے بڑی عدالت بھی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے سامنے دم نہیں مار سکتی۔ اس لحاظ سے نمرود کی خدائی اور جمہوریت کی خدائی میں کوئی فرق نہیں۔[۲۷]

جمہوری نظام پر تبصرہ اور ووٹ ڈالنے کی حیثیت:

سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۰۸ کی تشریح کرتے ہوئے جمہوری نظام پر تبصرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> موجودہ دور میں اس کی مثال کسی جمہوری نظام سیاست میں الیکشن کے دوران ووٹ ڈالنے کا مسئلہ ہے، اور یہ بات تو واضح ہے کہ جمہوری نظام اسلام اور

اسلامی نظام خلافت کی عین ضد ہے۔ جمہوری نظام میں مقتدر اعلیٰ کوئی انسان ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ مقتدر اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی بناء پر ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور جمہوریت میں سمجھوتہ ہونا ناممکن ہے۔ اگرچہ پاکستان کے دستور میں یہ الفاظ لکھ دیے گئے ہیں کہ "مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے"، مگر اس پر عمل درآمد ناممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر فی الواقع اللہ تعالیٰ کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کر لیا جائے تو جمہوری نظام کا از خود جنازہ نکل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جمہوری نظام میں پانچ باتیں ایسی ہیں جن میں سے کسی ایک کے بغیر جمہوریت کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی، یہ باتیں شرعاً ناجائز ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ سیاسی پارٹیوں کے وجود کا ضروری ہونا۔

۲۔ طلب امارت یعنی نمائندہ اسمبلی بننے کے لیے از خود درخواست دینا، پھر اس کے لیے ہر جائز وناجائز ذریعے سے تگ ودو کرنا۔

۳۔ کثرت رائے کو معیار حق قرار دینا۔

۴۔ حق بالغ رائے دہی، یعنی ہر کس ناکس بشمول خواتین کو ووٹ کا حق دینا۔

۵۔ ہر کس وناکس کے ووٹ کی قیمت برابر قرار دینا۔

اس صورت حال میں مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ووٹ ڈال کر اس نظام کی قطعاً حوصلہ فزائی نہ کی جائے مگر اس سے بھی بسا اوقات یہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا جواز صرف اس حد تک ہی ہے کہ ایک بڑے فتنہ کے سد باب کے لیے ایک چھوٹے فتنہ کو گوارا کر لیا جاتا ہے۔ یہ تو اس کا وقتی علاج ہے اور اصل علاج یہ ہے کہ اس کافرانہ نظام سیاست کو بدلنے کے لیے وہی راہ اختیار کی جائے جو انبیائے کرامؑ کا شیوہ رہا ہے۔[۲۸]

عقل پرستوں کی تردید:

کیلانی صاحب ایک بالغ النظر اور حساس مسلمان عالم تھے۔ وہ اپنے عہد کی سیاسی ، مذہبی اور علمی تحریکوں سے بخوبی واقف تھے۔ غلام احمد پرویز اور ان کے دلائل کی حقیقت سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں کئی مقامات پر فکرِ پرویزیت کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس کا نقطہ نظر نہایت سادہ اور سلیس انداز میں بیان کرنے کے بعد اس کی غلطی و کمزوری کو واضح کیا ہے۔ اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی متفقہ رائے کو بھی بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کا بیان واضح اور دوٹوک ہوتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

واقعات ابراہیمی میں پرندوں کو زندہ کرنے والا واقعہ بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "--- یہ واقعہ بھی چوں کہ خرق عادات اور معجزہ ہے، لہٰذا عقل پرستوں اور منکرین معجزات کو اس کی بھی مضحکہ خیز قسم کی تاویل کرنا پڑی۔ چنانچہ پرویز صاحب اس آیت کا ترجمہ یا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:
> سیدنا ابراہیمؑ نے اللہ سے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ اس قسم کی مردہ قوم بھی از سرنو زندہ ہو جائے اور اگر یہ ممکن ہے تو مجھے یہ بتا دیجیے کہ اس کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا جائے "یہ سب کچھ (كيف تحي الموتى) کا ترجمہ یا مفہوم ہے۔ آپ نے موتی کا ترجمہ ' مردہ قوم '، ارنی کا ترجمہ ' مجھے بتاؤ ' اور کیف تحی کا ترجمہ ' مردہ قوم کے از سرنو زندہ ہونے کا طریق کار ' کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا : پہلے یہ تو بتاؤ کہ تمہارا اس پر ایمان ہے کہ مردہ قوم کو حیات نو مل سکتی ہے ؟ ابراہیمؑ نے کہا: اس پر تو میرا ایمان ہے لیکن میں اس کا اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے کہا تم چار پرندے لو۔ شروع میں وہ تم سے دور بھاگیں گے۔ انہیں اس طرح آہستہ آہستہ سدھاؤ کہ وہ تم سے مانوس ہو جائیں۔ آخر الامر ان کی یہ حالت ہو جائے گی کہ اگر تم انہیں الگ الگ مختلف پہاڑیوں پر چھوڑ دو اور انہیں آواز دو تو وہ اڑتے ہوئے تمہاری طرف

آجائیں گے۔ بس یہی طریقہ ہے حق سے نامانوس لوگوں میں زندگی پیدا کرنے کا۔ تم انہیں اپنے قریب لاؤ اور نظام خداوندی سے روشناس کراؤ۔ (یہ و اعلم کا ترجمہ ہے۔) یہ نظام اپنے اندر اتنی قوت اور حکمت رکھتا ہے کہ اسے چھوڑ کر یہ کہیں نہ جا سکیں گے۔ یہ (ان اللہ عزیز حکیم.) کا ترجمہ ہے۔[۲۹]

مصنف اس پرویزی نظام کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب دیکھئے کہ:۔

۱۔ سیدنا ابراہیمؑ تو اللہ سے مردوں کو زندہ کرنے کی بات پوچھ رہے ہیں لیکن پرویز صاحب نے "مردہ قوموں" کی دوبارہ زندگی کے اسرار و رموز بیان کرنا شروع کر دیے ہیں۔

۲۔ مردہ قوموں کی دوبارہ زندگی کے لیے آپ نے جو ہدایات سیدنا ابراہیمؑ سے منسوب فرمائی ہیں، ان کی سیدنا ابراہیمؑ سے کوئی تخصیص نہیں۔ یہ تو تبلیغ کا عام طریقہ ہے، جسے تمام انبیاء اپناتے رہے ہیں۔ مردوں کو زندہ کرنے اور بالخصوص سیدنا ابراہیمؑ کے دلی اطمینان کی اس میں کیا بات ہے؟

۳۔ حق سے مانوس شدہ لوگوں کو ٹیسٹ کرنے کا طریقہ بھی کیسا شاندار ہے کہ پہلے نبی ایسے لوگوں کو الگ الگ پہاڑیوں پر چھوڑ آیا کریں۔ پھر انہیں بلائیں، اس سے پہلے نہ بلائیں۔ بہر حال وہ نبی کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ کیا مردہ قوموں کی دوبارہ زندگی کا یہی طریقہ ہے؟

۴۔ اعلم کا ترجمہ یا مفہوم 'تم انہیں نظام خداوندی سے روشناس کراؤ'، پرویز صاحب جیسے "مفسر قرآن" کا ہی حصہ ہو سکتا ہے۔

۵۔ اس آیت میں لفظ جزءً کا معنٰی حصہ یا ٹکڑا ہے اور پرندوں کا حصہ یا ٹکڑا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ انہیں ذبح کر دیا جائے یا کاٹ دیا جائے، جس سے ان کی زندگی ختم ہو جائے اور یہی موتی کا مفہوم ہے۔ لیکن پرویز صاحب نے اس کا مفہوم مردہ قوموں کو مانوس کرنا، پھر

انہیں الگ الگ کر دینا بتایا، اور اللہ کے عزیز و حکیم ہونے کو نظام خداوندی کے قوت اور حکمت والا ہونے سے تعبیر کر کے اس واقعہ کے معجزہ ہونے سے بہر حال گلو خلاصی کرا ہی لی، اور یہ ثابت کر دیا کہ اللہ مردوں کو زندہ نہیں کیا کرتا ہے بلکہ مردہ قوموں کو زندہ کرتا ہے۔ وہ اپنے پیغمبروں کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ پہلے لوگوں کو مانوس کریں، پھر پہاڑوں پر چھوڑ آیا کریں، پھر انہیں بلائیں ورنہ یہ مردہ قومیں کبھی زندہ نہ ہو سکیں گی۔[۳۰]

قُلْنَا يٰنَارُكُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ[۳۱] (ہم نے آگ کو حکم دیا: 'اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا) اس آیت کی تفسیر میں معجزہ پر بحث کرتے ہوئے چند ایسے علمی حلقوں کا تذکرہ کیا ہے جو ابراہیمؑ کے اس معجزہ کو تسلیم کرنے سے گھبراتے ہیں اور ان آیات کی دور از کار تاویلات کرتے ہیں۔ ان میں حافظ عنایت اللہ اثری صاحب کے خیالات کی مدلل تردید کی ہے۔

مصنف کی نظر میں اس آیت اور اس کے ترجمہ میں اثری صاحب نے مندرجہ ذیل مغالطے دیے ہیں:

۱۔ اس آیت میں اوقدوا کا استعمال کنایتاً اور محاورتاً ہے ورنہ لڑائی کی آگ حقیقتاً ایسی نہیں ہوتی جس میں لکڑی وغیرہ جل جائے یا وہ دوسری چیزوں کو جلا کر راکھ بنا ڈالے۔

۲۔ قرآن کریم نے حرقوہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، یعنی ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔

۳۔ اطفأ کے معنیٰ بجھانا تو ٹھیک ہے مگر ٹھنڈا کرنا نہیں ہے۔ آپ نے اس کا اضافہ کر کے اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

۴۔ قرآن کریم کے الفاظ برداً و سلاماً (یعنی ٹھنڈی بھی ہو جا اور سلامتی والی بھی) اس میں بجھنے کا ذکر تک نہیں، کہ سرے سے آگ ہی بجھ جائے اور ابراہیم جلنے سے بچ جائیں۔ اور یہی وہ الفاظ ہیں جو ان حضرات کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ابراہیمؑ آگ میں ڈالے ہی نہیں گئے تھے تو پھر اللہ کا یہ حکم کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

اب اثری صاحب کے جواب کا دوسرا حصہ سنیے جو حدیث سے متعلق ہے، فرماتے ہیں: "اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سچ مچ انہوں نے آگ میں جلا دینے کا ارادہ کر لیا اور القي في النار. (الحدیث) سے بھی پیدا شدہ خطرناک حالات سے مصادقت مراد ہے کہ کام بالکل تیار تھا، مگر اللہ پاک نے آپ کو بال بال بچا لیا۔"[۳۲]

کیلانی صاحب نے اس کا مزید تجزیہ بھی کیا ہے۔[۳۳]

سورۃ البقرہ میں قصہ آدم و ابلیس کی کچھ تفصیلات مذکور ہیں، اسی ذیل میں ارشاد ہوا ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ.[۳۴] (آخر کار شیطان نے اسی درخت کی ترغیب دے کر آدم و حوا دونوں کو ورغلایا اور جس حالت میں وہ تھے، انہیں وہاں سے نکلوا کر دم لیا۔)

اس آیت کریمہ کے تحت، مفسر موصوف نے شیطان کی حقیقت، فرشتوں کی مختلف اقسام اور ان کی ذمہ داریاں، صفات کے لحاظ سے فرشتوں کی اقسام، جنوں کی اقسام اور صفات، فرشتوں کے وجود کے منکرین اور ان کی تاویلات بھی بیان کی ہیں۔ ان تفصیلات کے بیان کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فرشتوں اور ابلیس کے متعلق ہمیں یہ لمبی چوڑی تفصیل اس لیے دینا پڑی کہ یہ قصہ آدم و ابلیس کے اہم کردار ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا از روئے قرآن نہایت ضروری اور ایمان بالغیب کا ایک حصہ ہے۔ لیکن ان تمام تر قرآنی تصریحات کے علی الرغم مسلمانوں میں سے ہی کچھ لوگ فرشتوں کے خارجی وجود اور ذاتی تشخص کے قائل نہیں۔ ہمارے ملک میں اس طبقہ کے سرخیل سرسید احمد خاں ہیں، جن کا کچھ ذکر سورۃ فاتحہ کے آخری حاشیہ میں گزر چکا ہے۔[۳۵]

کیلانی صاحب نے سرسید احمد کی مغربی افکار سے مرعوبیت کا ایک نقشہ کھینچا ہے، پھر ان کے ہونہار جانشین پرویز احمد کا ذکر کیا ہے۔ پرویز صاحب نے اپنی مختلف تصنیفات و تالیفات میں

(جیسا کہ اس حوالے سے تفصیل گزر چکی ہے) فرشتوں کے بارے میں مختلف تاویلات و مفہومات بیان کیے ہیں، اس کے تقریباً تمام قابل ذکر نکات کو ایک سادہ اور منطقی ترتیب سے بیان کیا ہے اور بعد ازاں عقلی، تاریخی اور قرآنی دلائل سے ان کے مؤقف کی غلطی ان پر واضح کی ہے۔ یہ تفصیل تفسیر کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔[۳۶]

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ[۳۷] (ایک چیونٹی بول اٹھی، " چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ") کے تحت لکھا ہے:

> عقل پرستوں نے اس وادی نمل کے قصہ میں بھی اپنی عقل کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وادی نمل فلاں مقام پر ایک بستی کا نام ہے اور نمل ایک قبیلہ کا نام تھا۔ اس کے افراد بھی نملی کہلاتے تھے۔ سلیمانؑ کا لاؤ لشکر دیکھ کر ایک نملہ نے دوسرے نملوں سے یہ بات کہی تھی۔ اس تاویل یا تحریف میں جتنا وزن ہو سکتا ہے، وہ ان آیات کے سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھ لیجیے کہ آیا اس تاویل میں کچھ معقولیت نظر آتی ہے؟[۳۸]

فتنۂ انکار حدیث:

فتنہ ءانکار حدیث کا رد بھی بعض مقامات پر موجود ہے۔

آیت کریمہ: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ[۳۹]

(جو لوگ ایمان لائے پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا۔ انہی کے لیے امن و سلامتی ہے اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔)

کے تحت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی وہ حدیث لکھی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ پر بہت گراں گزری (کیونکہ انہوں نے ظلم کو اس کے عام معنوں، معصیت یا زیادتی پر محمول کیا تھا) اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ

کیا ہو؟ آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ یہاں ظلم کا لفظ اپنے خاص معنوں یعنی شرک کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی زبان بھی اگرچہ عربی زبان تھی اور قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ تاہم بعض دفعہ انہیں آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آجاتی تھی۔ اور یہی مطلب ہے (ویعلمهم الکتاب) کا۔ مگر مسلمانوں میں سے ہی بعض لوگ ایسے ہیں جو حدیث رسول ﷺ سے بے نیاز ہو کر محض لغت کی مدد سے قرآن کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اپنے اس نظریہ کا انجام سوچ لینا چاہیے۔[40]

مختصر فقہی احکام کا تذکرہ:

قرآن کا تیسرا حصہ آیات احکام پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم بہت سے احکام اور ان کے اصول ودائرہ کو قائم کرتا اور بنیادی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ دور جدید میں معاشرتی ارتقاء کے بعد پیدا ہونے والے نئے سوالات کے حل میں ان احکام کا انطباق اور ان کی درست توجیہ اور حد بندیاں قائم کرنا ایک مہارت طلب کام ہے، جس کے لیے علمی دقت کے ساتھ ساتھ مجتہدانہ بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔

مفسر مرحوم کم وبیش پندرہ [15] سال کا طویل عرصہ دارالافتاء سے منسلک رہنے اور دقیق علمی مسائل پر اپنی جاندار تحقیقات پیش کرنے اور علم وتدریس سے خصوصی لگاؤ وشغف رکھنے کے باعث نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اس حوالے سے احکام ومسائل کے ضمن میں اس تفسیر میں صرف اصولی مباحث کی وضاحت پر اکتفاء کی بجائے کافی وسعت سے ان مسائل کا

احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنی تالیف کردہ کتب اور مقالات کا خلاصہ پیش کر کے جزوی تفصیلات کے لیے کتاب کی طرف راہنمائی کر جاتے ہیں۔

اس بنا پر قرآن میں ذکر ہونے والی آیات سے اصولی استشہاد کرتے ہوئے دور جدید کے تناظر میں ان کی جزئیات اور دائرہ کار کو پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

آیت کریمہ : وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔[41] (تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اپنے حق میں جو کچھ وہ معروف طریقے سے کریں تم پر اس کا کچھ گناہ نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس خبر دار ہے۔) اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

> یعنی ان کا نکاح کی بات چیت کرنا، زینت و آرائش کرنا، خوشبو لگانا، مقام عدت سے کسی جگہ اور چلے جانا، نکاح کر لینا، جو کچھ وہ اپنے حق میں بہتر اور مناسب سمجھیں، سب کچھ جائز ہے، اور تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔[42]

آیت : وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۔[43] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اب دیکھیے مطلقہ عورت کے حق مہر کی ادائیگی کے سلسلہ میں شرعی احکام کی رو سے ممکنہ صورتیں چار ہیں:

۱۔ نہ مہر مقرر ہو اور نہ ہی صحبت کی ہوئی ہو۔

۲۔ مہر مقرر ہو چکا، مگر صحبت نہ ہوئی ہو۔ (ان دونوں صورتوں کا حکم ان دو آیات میں مذکور ہو چکا ہے۔)

۳۔ مہر بھی مقرر ہو اور صحبت بھی ہو چکی ہو اور یہ سب سے عام صورت ہے۔ اس صورت میں مہر پورا دینا ہو گا۔

۴۔ مہر مقرر نہ ہوا تھا، مگر صحبت ہو چکی، اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا ہو گا، یعنی اتنا مہر جو اس عورت کے قبیلہ میں عام رواج ہے۔ بیوہ کے لیے بھی یہی چار صورتیں ممکن ہیں، مگر اس کے احکام میں اختلاف ہے، جو یہ ہے کہ مہر مقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور مرنے والے خاوند نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، عورت کو بہر حال پورا مہر ملے گا۔ اگر مہر مقرر تھا تو اتنا ملے گا اور مقرر نہیں تھا تو مہر مثل ملے گا، اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

> سیدنا علقمہ ؒ کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ سے ایسے شخص سے متعلق سوال کیا گیا، جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، نہ حق مہر مقرر ہوا اور نہ ہی صحبت کر سکا کہ اس کی وفات ہو گئی، ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ اسے اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل مہر ملے گا۔ نہ کم نہ زیادہ، اور اس پر عدت بھی ہے، اور میراث سے بھی اسے حصہ ملے گا۔ (یہ سن کر) معقل بن سنان اشجعی نے کہا کہ رسول ﷺ نے بھی ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ یہ سن کر ابن مسعودؓ خوش ہو گئے۔ (ترمذی، ابواب النکاح، باب فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنہا قبل ان یفرض لھا، نیز ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً حتیٰ مات) [۴۴]

آیت کریمہ : يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭقُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙوَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ [۴۵] (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ ان سے کہہ دیں کہ سب پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کر دی گئی ہیں۔ اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار رکھا ہے، یعنی جنہیں تم تھوڑا بہت وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے

تمہیں دے رکھی ہے (۲) پس جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھا لو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیا کرو) کے تحت رقم طراز ہیں:

> اس آیت میں کھانے پینے کی اشیاء کی حلت و حرمت کے متعلق ایک عظیم الشان اصول دیا گیا ہے، جسے فقہی زبان میں یوں ادا کیا جاتا ہے کہ "ہر چیز کی اصل اباحت ہے" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کی تمام اشیاء دو شرطوں کے ساتھ تمہارے لیے حلال ہیں، ایک یہ کہ وہ چیز پاک یا پاکیزہ اور صاف ستھری ہو، گندی باسی، سڑی ہوئی اور بدبودار نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کے متعلق شریعت میں یہ صراحت نہ ہو کہ وہ حرام ہے، اس طرح حرام اشیاء کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا ہے اور حلال اشیاء کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس آیت کے نزول سے پہلے یہی سمجھا جاتا تھا کہ حلال صرف وہ چیز ہو سکتی ہے جس کے متعلق شریعت میں واضح ثبوت موجود ہو۔ جیسا کہ اس آیت میں مسلمانوں کے یہی سوال کرنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ نظریہ کو بدل کر اور حلال اشیاء کا دائرہ وسیع کر کے مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔[۴۶]

اکثر فقہی احکام کو فقہ السنہ کے طریق کے مطابق احادیث سے اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ آیت : وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ [۴۷] (اور ان شکاری جانوروں کا شکار بھی جنہیں تم نے اس طرح سدھایا ہو، جیسے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے) کے تحت مفسر نے عنوان قائم کیا ہے: <u>شکار کے متعلق احکام</u>، پھر اس عنوان کے تحت نمبر وار چھ [۶] احادیث مستند کتب حدیث کے حوالے سے ذکر کی ہیں۔[۴۸]

اسی آیت (نمبر ۴) میں وضو کے احکام کا بھی بیان ہے۔ وضو کے احکام کا عنوان قائم کر کے تیرہ [۱۳] احادیث بیان کی ہیں۔ بعد ازاں دیگر نکات کو نمبر وار اختصار و سلاست کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

آیت : وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [۴۹] کے تحت چور اور چوری کے مختلف احکام بیان کیے ہیں اور اس بیان میں بھی احکام کی بنیاد احادیث پر رکھی ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ احادیث کی بنیاد پر احکام قرآنی کا مطالعہ ہے۔ چور کی تعریف، چور پر حد وغیرھم موضوعات پر کتب ستہ کی احادیث پیش کی ہیں۔ [۵۰] عشر اور زکوٰۃ کے مسائل بھی اختصار و جامعیت کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ [۵۱]

سورۃ النساء میں نکاح کے احکام کو مختصراً بیان کیا ہے۔ خاص طور پر نکاح متعہ کی حرمت پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس تفصیل بحث میں اسلام کی طرف سے قیدی عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع کی اجازت، اس کی حکمت اور اس کی سخت اور کڑی شرائط کا بیان ہے۔ [۵۲]

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاۗءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا [۵۳] (اور حرام کی گئی شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں، ان عورتوں کے سواء اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے۔ اس لئے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔ اور مہر مقرر ہونے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔)

ان آیات میں آزاد عورتوں سے نکاح کی شرائط کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بعد ازاں متعہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایک اضطراری رخصت تھی، جو عہد نبوی ﷺ میں صرف تین [3] اہم مواقع پر مباح کیا گیا۔ اور بعد ازاں دس [10] ہجری میں اس کی حتمی اور مستقل ممانعت کا اعلان کر دیا گیا۔ اس بیان کو متعدد روایات واحادیث سے مدلل کیا ہے، اور بعد ازاں ان روایات کے نتائج کو نمبر وار بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

۱۔ (الی اجل مسمی) کی قرأت کے راوی صرف عبداللہ ابن عباسؓ ہیں، جن کی عمر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت صرف تیرہ [13] سال تھی۔ جمع و تدوین قرآن کے وقت آپ قسم اٹھا کر کہتے ہی رہے کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی۔ (اور ممکن ہے کہ جن ایام میں متعہ کا جواز تھا، یہ قرأت بھی پڑھی گئی ہو، لیکن ایسی قرأت بھی رخصت اور نسخ کے ضمن میں آتی ہیں۔) مگر آپ کی اس بات کو دو وجوہ کی بنا پر پذیرائی نہ ہو سکی، ایک یہ کہ جمع و تدوین قرآن کے معاملہ میں خبر متواتر کو قبول کیا تھا اور آپ کی یہ خبر واحد تھی، جس کا دوسرا کوئی راوی نہ تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ پہلے سے دو مکی سورتوں مومنون اور معارج میں یہ محکم آیات موجود تھیں۔ **والذین ھم لفروجھم حفظون الا علی ازواجھم اوماملکت ایمانھم** ....الخ) یعنی حفاظت فروج کے دو ہی ذریعے ہیں، ایک بیوی اور دوسری لونڈی، ان کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ حد سے گزرنا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ ممنوعہ عورت نہ بیوی ہوتی ہے نہ لونڈی، لونڈی نہ ہونے میں تو کوئی کلام نہیں اور بیوی اس لیے نہیں ہوتی کہ بیوی کو میراث ملتی ہے اور ایسی عورت کو میراث نہیں ملتی۔

۲۔ سیدنا ابن عباسؓ بھی صرف متعہ کے معاملہ میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ آپ کو اصرار قطعاً نہ تھا۔ جبکہ کثیر تعداد میں صحابہؓ متعہ کو حرام قرار دینے میں شدت اختیار کرتے تھے اور ابن عباسؓ کو ٹوکتے تھے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ (مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعہ)

سیدنا ابن عباسؓ اپنی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور جب یہ جواز متعہ کی بات کرتے تو سیدنا عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے: "اللہ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کرنے کے ساتھ ان کے دلوں کو بھی اندھا کر دیا ہے، جو متعہ کے جواز کا فتوٰی دیتے ہیں۔ اس وقت عبداللہ ابن زبیرؓ خلیفہ تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ تم زیادتی کر رہے ہو، میری عمر کی قسم! دور نبوی ﷺ میں متعہ ہوتا رہا ہے، تو ابن زبیرؓ نے کہا کہ اس متعہ کو اپنے اوپر آزماؤ۔ اللہ کی قسم! اگر تو ایسا کرے تو میں تمہیں پتھروں سے سنگ سار کر دوں۔ (مسلم، حوالہ سابق)

۳۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری ابدی حرمت کا اعلان تمام صحابہ کرامؓ تک نہ پہنچ سکا، جو کہ دور دراز علاقوں تک پہنچ چکے تھے یا یہ سیدنا ابن عباسؓ کی لچک کا اثر تھا کہ دور صدیقی اور دور فاروقی کی ابتداء تک درپردہ متعہ کے کچھ واقعات کا سراغ ملتا ہے۔ سیدنا عمرؓ چونکہ متعہ کے شدید مخالف تھے، لہٰذا آپ اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ ایسا کوئی واقعہ سامنے آئے۔[۵۴]

بعد ازاں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے، جس میں سیدنا عمرؓ نے اس فعل میں مشغول شخص کو سختی سے منع کر کے سزا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس واقعہ سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

(الف) سیدنا عمرؓ اور آپؓ کی پوری شوریٰ متعہ کے مخالف تھی، اگر ان میں بھی اختلاف ہوتا تو آپ ایسا تعزیری حکم نافذ نہ کر سکتے تھے۔

(ب) جو چند لوگ متعہ کے قائل تھے، وہ بھی چوری چھپے یہ کام کرتے تھے۔ اگر یہ عام ہوتے تو سیدنا عمرؓ کو ٹوہ لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

(ج) معاشرہ کی اکثریت متعہ کو ناجائز اور مکروہ سمجھتی تھی، اگر یہ رسم عام ہوتی تو اس شامی کو ایسی عورت کا پتہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے یہ معاملہ ام عبداللہ سے کیوں نہ طے کر لیا، جس کے ہاں وہ ٹھہرا تھا۔

اس تعزیری قانون کے بعد ابن عباسؓ اور آپ کے شاگردوں مثلاً عطا بن ابی رباح، طاؤس، سعید بن جبیر اور ابن جریج کے لیے اس کے بغیر چارہ نہ رہا کہ وہ متعہ کے لیے عقلی دلیل مہیا کر کے اپنے دل کا غبار نکال لیں۔ اور وہ دلیل عقلی یہ تھی جو ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ "متعہ کا جائز ہونا اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر عمرؓ نے اس کی ممانعت نہ کر دی ہوتی تو کبھی کسی کو زنا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔" (تفسیر مظہری، ص۲۰۸)[۵۵]

پھر جب دور عثمانی میں سیدنا ابن عباسؓ کی قرأت (الی اجل مسمی) کو خبر متواتر نہ ہونے کی وجہ سے شرف قبولیت حاصل نہ ہو سکا اور یہ الفاظ کتاب اللہ میں شامل نہ ہو سکے تو متعہ کا فائدہ بتلانے کا میلان بھی ختم ہو گیا، اور بالآخر آپ نے اپنے اس فتویٰ رخصت سے بھی رجوع کر لیا۔ (تفسیر حقانی ۲ / ۱۴۵)[۵۶]

احکام اسلامی پر اعتراضات کے جوابات:

بیسویں صدی کی ایک اہم عصری تفسیر "تفہیم القرآن" از سید ابوالاعلیٰ مودودی میں احکام اسلامی پر مغربی حلقوں کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کے جاندار جوابات دیے تھے۔ مفسر "تیسیر القرآن" نے دیگر کئی موضوعات کی طرح اس موضوع پر بھی صاحب تفہیم کے افکار کو اختصار کے ساتھ سلیس انداز میں پیش کر دیا ہے، جیسے سورۃ المائدہ کے ذیل میں حد سرقہ اور حد محاربہ کے احکام بیان کر کے بعنوان "کیا اسلامی سزائیں غیر انسانی ہیں؟" کے تحت لکھتے ہیں:

> آج کل یورپ کی نام نہاد مہذب اقوام، اسلامی سزاؤں کو غیر مہذب اور وحشیانہ سزائیں سمجھتی ہیں اور بدنی سزاؤں کو غیر انسانی سلوک اور ظلم کے مترادف سمجھتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ سے یورپ میں اس کے کسی دوست نے کہا کہ اسلام میں چوری کی سزا بڑی غیر مہذبانہ ہے تو اقبالؒ نے اس کا یہ جواب

دیا تھا کہ کیا تمہارے خیال میں چور مہذب ہوتا ہے؟ ان لوگوں نے اپنے اسی نظریہ کے تحت اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے چارٹر میں اس کو غیر انسانی سلوک قرار دے کر ایسی سزاؤں کو ترک کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس نظریہ کے دعویدار اپنی حکومتوں میں سیاسی ملزموں پر بند کمروں میں ایسے دردناک مظالم ڈھاتے اور بدنی سزائیں دیتے ہیں، جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے اور مشاہدہ یہ ہے کہ بند کمروں میں ایسی سزائیں دینا مجرموں کو اپنے کردار میں مزید پختہ بنادیتا ہے۔ پھر یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جہاں جہاں عدالتوں میں بدنی سزائیں موقوف ہوئیں، وہاں جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔[۵۷]

فرقہ ورانہ نظریات کا رد:

بعض مقامات پر معتدل اسلوب میں ان ضعیف وضع شدہ احادیث کو موضوع بحث بنایا ہے، جن سے بعض لوگ اپنے بدعی افکار کی دلیل لاتے ہیں۔ آیت : فَتَلَقّٰۤي اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[۵۸] (پھر آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ بلاشبہ وہ بندوں کی توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔) کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اس واقعہ کے بعد حضرت آدمؑ وحواؑ دونوں کہنے لگے: 'اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے ہیں اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔' ان کلمات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود ہی سورۃ اعراف کی آیت نمبر تیئس[۲۳] میں کر دیا ہے۔ اس کے باوجود بعض واعظ حضرات اس آیت کی تشریح میں ایک موضوع حدیث بیان کیا کرتے ہیں۔ یہ حدیث مرفوع بنا کر پیش کی جاتی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جب سیدنا آدمؑ جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے تو ہر وقت روتے اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی: "اے باری تعالیٰ! سیدنا محمد ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ وحی نازل ہوئی کہ تم محمد ﷺ کے متعلق کیسے جانتے ہو؟ عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا: لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ. تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد ﷺ سے اونچی کوئی ہستی نہیں ہے، جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھ رکھا ہے۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں۔ تمہاری اولاد میں سے ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کیے جاتے۔ (ریاض السالکین۔ ص ۳۰۲)[۵۹]

کیلانی صاحب یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس پر روایتی ودرایتی نقطہ نظر سے کئی اشکالات واعتراضات وارد کرتے ہیں، جیسے بعنوان "موضوع حدیث کی عجمی ترکیب" لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس جواب کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک موضوع حدیث گھڑی گئی، یعنی یہ حدیث قدسی ہے اور اس کا متن یوں ہے: عن ابن عباس يقول الله وبعزتي وجلالي لولاك ما خلقت الدنيا (ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے عزت وجلال کی قسم! (اے محمد ﷺ) اگر تم نہ ہوتے تو میں اس دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا۔ (ریاض السالکین، ص ۲۴۴)

اسی قدسی موضوع حدیث کا مفہوم ایک دوسری روایت میں ان الفاظ میں ہے: لولاك لما خلقت الافلاك (اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کی کوئی چیز بھی پیدا نہ کرتا۔ ریاض السالکین، ص ۱۰۱) ان حدیثوں کو ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے (دیکھیے موضوعات ابن الجوزی، جلد ۱، ص ۲۸۹) نیز ان احادیث کے موضوع ہونے پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ لولاك کی ترکیب عربی نہیں بلکہ عجمی ہے۔ عربی قواعد کے مطابق لولا أنت آنا چاہیے۔ جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ غزوہ خندق کے دوران خندق کی مٹی ڈھوتے وقت یہ شعر گنگنا رہے تھے: اللهم لولا انت مااهتدينا (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خندق) گویا لولاك کی ترکیب ہی غلط ہے جو اس کے موضوع ہونے پر دلیل ہے۔

ان موضوعات کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کی شان کی عظمت یا قدامت بیان کرنا ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی مقاصد ہیں، جو ان حضرات کے نزدیک بہت اہم ہیں، مثلاً:

۱۔ اللہ سے خواہ کتنے ہی برس رو رو کر مغفرت طلب کی جائے وہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کسی کا وسیلہ نہ پکڑا جائے۔ اور (۲) یہ وسیلہ اپنے نیک اعمال کا نہیں کسی بزرگ ہستی کا ہی ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ ابھی تک وجود میں نہ آئی ہو یا خواہ اس دنیا میں موجود ہو یا اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہو۔ کاش سیدنا آدمؑ کو اتنی مدت رونے سے پہلے ہی یہ باتیں معلوم ہو جاتیں۔ شیعہ حضرات نے جب موضوعات کا وسیع میدان دیکھا تو وہ ان حضرات سے بھی چار ہاتھ آگے نکل گئے، ان کی قدسی حدیث کا متن یوں ہے: لولا علي ما خلقتك یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا: اگر علیؓ نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔[۵۹-الف]

آیت: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ[۶۰] کے تحت رقم طراز ہیں:

> یعنی اللہ کی نازل کردہ کسی کتاب میں کہیں بھی یہ ذکر موجود نہیں کہ اس نے فلاں فلاں ہستی کو فلاں فلاں اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ لہٰذا ان کاموں میں تم ان سے رجوع کرکے ان سے اپنی حاجات طلب کر سکتے ہو۔ نہ ہی انہیں کسی علمی تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ امور کائنات میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بھی تصرف کا حق حاصل ہے اور اس بناء پر ان کی بھی عبادت کرنا درست ہے۔ لہٰذا جو معبود ان لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور ان سے کئی صفات

> اور اختیارات منسوب کر دیے گئے ہیں، ان کے آستانوں پر دعائیں مانگی جاتی ہیں، نذریں نیازیں چڑھائی جاتی ہیں، بعض کے طواف اور اعتکاف تک بھی کیے جاتے ہیں، ان کی حقیقت جاہلانہ توہمات کے سوا کچھ بھی نہیں۔[۶۱]

تردید شرک کے کئی مزید پہلو بھی ہمیں تفسیر میں نظر آتے ہیں۔ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ڰ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاۗءً عَلَيْهِ...[۶۲] (کہتے ہیں کہ اس قسم کے مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں۔ انہیں ان کے گمان کے مطابق وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں اور کچھ مویشی ہیں جن کی پشتیں حرام ہیں اور کچھ مویشی ایسے ہیں، جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔) اس آیت کریمہ کی وضاحت میں **مشرکوں کی اپنی وضع کردہ شریعت** عنوان قائم کر کے شرک کے چند مظاہر بیان کیے گئے ہیں۔[۶۳]

نور و بشر کا مسئلہ:

کیلانی صاحب نے اس موضوع پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

آیت کریمہ: قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ.[۶۴] کے تحت لکھا ہے:

> اگرچہ اس آیت میں بعض علماء نے نور سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات بھی لی ہے تاہم اکثر مفسرین نور کو کتاب مبین ہی کی صفت قرار دیتے ہیں اور واؤ کو عطف مغائرت کی بجائے عطف تفسیری سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔ چنانچہ کیلانی صاحب نے اس کی وجوہات پر سات قرآنی آیات مع ترجمہ پیش کی ہیں۔[۶۵]

نور و بشر کی بحث پر مزید لکھتے ہیں:

> اس کے برعکس تمام انبیاء کو ہر مقام پر بشر ہی کہا گیا ہے۔ البتہ ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ کو سراجاً منیراً (روشنی دینے والا چراغ) بھی کہا گیا ہے۔ تاہم اگر یہاں نور سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی لیا جائے تو اس سے مراد نور نبوت

اور نور ہدایت ہو گا، نہ کہ وہ نور جس کی آج کل بریلوی حضرات نے رٹ لگا رکھی ہے۔ کیونکہ مولانا احمد رضا بریلوی کا ترجمہ قرآن (کنز الایمان) اور اس پر مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی کا حاشیہ (خزائن العرفان) یوں ہے: "بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور روشن کتاب"۔ کنز الایمان اور اس پر حاشیہ یہ ہے کہ "سید عالم ﷺ کو نور فرمایا۔ کیونکہ آپ ﷺ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔"(خزائن العرفان) اسی طرح داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا. کا ترجمہ یوں کیا ہے: اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا ہے اور چمکا دینے والا نور ہے۔ (کنز الایمان) اور حاشیہ یوں ہے: در حقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ ﷺ کے نور نبوت نے پہنچائی اور کفر وضلالت کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نور حقیقت افروز سے دور کر دیا اور خلق کے لیے معرفت الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کر دیں اور ضلالت کی تاریک وادیوں میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے نور ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نور نبوت سے ضمائر اور قلوب وارواح کو منور کیا۔ (خزائن العرفان)

مصنف کی نظر میں اگر معاملہ یہیں تک محدود رہتا تو پھر بھی اختلاف کی کوئی بات نہ تھی۔ بھلا کون مسلمان ہے جو آپ ﷺ کو نور نبوت اور نور ہدایت ماننے کو تیار نہ ہو گا۔ اختلاف اس وقت واقع ہوا جب کچھ غالی قسم حضرات نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ نور ہیں یا بشر؟ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ آپ ﷺ بشر نہیں تھے بلکہ نور تھے اور جو لوگ آپ ﷺ کو بشر کہتے ہیں، انہیں گستاخان رسول کا لقب دیا گیا اور جو آپ ﷺ کو نور تسلیم کریں انہیں عاشقان رسول کا۔[٦٦]

اس کے بعد مختلف نقلی وعقلی دلائل سے ان کے نظریات کا رد کیا۔ آپ ﷺ کو نور ثابت کرنے کے لیے جن موضوع احادیث کا سہارا لیا ہے۔ ان سب کو ایک ایک کر کے ذکر کیا

ہے اور ان کو ساقط الاعتبار ثابت کیا ہے۔ پھر ان موضوع احادیث کی تردید میں صحیح احادیث ذکر کی ہیں۔[67]

بعض مقامات پر اپنے مسلک کو راجح اور فوق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے آیت کریمہ: وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ [68] کی تفسیر کرتے ہوئے عنوان قائم کیا ہے: "اکثریت کا مذہب محض تقلید اور وہم وقیاس پر ہے"۔ اس عنوان کی تفصیل میں رقم کرتے ہیں:

> تاریخ اور مشاہدہ دونوں اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ کسی بھی معاشرہ میں اہل خرد وذہین اور بااصول لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ معاشرہ کی اکثریت جاہل عوام پر مشتمل ہوتی ہے۔ قرآن نے متعدد مقامات پر ایسی اکثریت کو جاہل ،فاسق، ظالم اور مشرک قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کا اپنا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ نہ انہیں کسی بات کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اپنے کھانے پینے کے سوا نہ کسی چیز کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور بات سوچنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی گزارنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جس رخ کے لوگوں کی اکثریت جارہی ہو ادھر ہی وہ چل پڑتے ہیں۔[69]

اس طرح مفسر گویا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ان کا مسلک قلیل تعداد ہونے کی بنا پر برحق اور راجح ہے۔

ناسخ ومنسوخ کی بحث:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. [70] (ہم جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس جیسی یا اس سے بہتر آیت لاتے (بھی) ہیں۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر

ہے۔) کے تحت قرآن کے تصور ناسخ و منسوخ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ مصنف نے اس آیت کے پس منظر میں یہ بتایا ہے کہ نسخ کو موضوع بحث بنانے میں یہود کی بدنیتی شامل تھی، تاکہ اس مسئلے کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے متنفر کردیں۔ بعد ازاں مصنف نے متقدمین و متاخرین کے نظریہ نسخ میں فرق کا سبب اور دیگر تفصیلات مہیا کی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی اکثر آراء شاہ ولی اللہ کی فکر سے مستفاد ہیں۔ نیز مصنف کا کسی قدر رجحان اس مکتب فکر کی طرف بھی ہے کہ قرآن حکیم کی جن آیات کو منسوخ ٹھہرایا گیا، وہ نسخ وقتی اور غیر مستقل ہے۔ مخصوص حالات و واقعات میں ان منسوخ آیات پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

> سورۃ محمد کی آیت نمبر چار [۴] میں اللہ تعالیٰ نے جنگی قیدیوں کی لونڈی غلام بنانے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری طرف سورہ احزاب کی آیت نمبر پچاس [۵۰] کی رو سے عام مسلمان تو درکنار خود رسول اللہ ﷺ کو جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے بلکہ لونڈیوں سے تمتع کی بھی اجازت فرمارہے ہیں اور ان دونوں طرح سے احکام میں کوئی بھی ایک دوسرے کا ناسخ نہیں ہے، بلکہ حالات کے تقاضوں کے مطابق دونوں میں سے کسی نہ کسی پر عمل درآمد ہوگا اور ایسی مثالیں قرآن میں اور بھی بہت ہیں۔[۱۷]

معاصر تفاسیر سے استفادہ:

معاصر تفاسیر میں سے تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن اور تفہیم القرآن وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے، تاہم اس کا حوالہ دینے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

احرام کی تعریف میں لکھا ہے:

> احرام اس فقیرانہ لباس کو کہتے ہیں جو حج و عمرہ کرنے والے اپنے میقات سے باندھتے ہیں اور یہ مردوں کے لیے صرف ایک تہبند اور ایک چادر پر مشتمل ہوتا ہے اور عورتوں کے لیے ان کا عام لباس ہی احرام کا بھی لباس

ہوتا ہے۔ احرام کی حالت میں انہیں کوئی چیز چہرہ پر نہ ڈالنا چاہیے۔ احرام کی حالت میں چند پابندیاں ضروری ہیں، مثلاً وہ خوشبو یا زیب وزینت کی چیزیں استعمال نہیں کر سکتا، نہ ہی اپنی بیوی سے صحبت کر سکتا ہے۔[۴۲]

یہ تعریف صاحبِ تفہیم کے الفاظ میں معمولی ردوبدل کر کے اختیار کی گئی ہے۔[۴۳]
شعائر کی تعریف بھی تیسیر القرآن کے مؤلف نے تفہیم القرآن میں بیان کردہ مفہوم کو چند الفاظ کی تبدیلی سے روایت کیا ہے۔[۴۴]

تیسیر القرآن کی خوبیاں کا طائرانہ جائزہ

۱۔ اس کا ترجمہ نہ لفظی ہے اور نہ محض ترجمانی ہے؛ بلکہ سلیس اور بامحاورہ ہے۔ ربط مضمون کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے لائے گئے الفاظ قوسین میں دیے گئے ہیں۔
۲۔ یہ تفسیر علمائے سلف کے تفسیری انداز پر تصنیف کی گئی ہے اور گذشتہ تفاسیر ماثور ورائے کی جامع تفسیر ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے تفسیر قرآن بالقرآن، صحاح ستہ کی (صحیح اور حسن درجہ کی) احادیث، اقوال صحابہؓ وتابعین کو بنیاد بنایا ہے۔ علاوہ ازیں بعض جگہوں پر اپنی رائے سے بھی استدلال کیا ہے۔
۳۔ پیچیدہ اور دقیق مسائل کو بیان کرنے کے لیے واضح اور سادہ طرز بیان اور منطقی اسلوب اختیار کرنے کی سعی کی گئی ہے۔
۴۔ اختلافی اور فروعی مسائل میں نقلی وعقلی دلائل سے دوٹوک اور واضح مؤقف اختیار کیا گیا ہے، تاہم اس میں اسلوب بیاں علمی اور نسبتاً اعتدال پر مبنی ہے اور اس ضمن میں قلم کو سنجیدگی کی دائرہ میں رکھا گیا ہے۔
۵۔ منکرین حدیث کے استدلالات کی خاص طور پر تردید کرنے میں زور قلم آزمایا گیا ہے اور اس ضمن میں ان کا انداز قدرے جارحانہ ہے۔

۶۔ جدید مغرب زدہ طبقات کے اعتراضات پر بھی پوری توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ سود، لین دین، تجارت کی غیر شرعی اقسام، تعدد ازواج، لونڈیوں اور غلاموں کے مسائل کو خاص طور پر مرکز بحث بنایا گیا ہے۔ ان کا پیرایہ بیان وسیع تر معلومات کا حامل ہے۔

۷۔ عقلیت پرستی پر بھی تنقید کی گئی ہے۔

۸۔ بعض آیات کریمہ کا جدید سائنسی تحقیقات کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔ ایسے مقامات پر مصنف نے قرآن مجید کی فوقیت اور آفاقیت کو ثابت کرتے ہوئے کہا ہے کہ نہ تو قرآن سائنس کے مخالف ہے اور نہ سائنس قرآن کے خلاف ہے بلکہ موجودہ سائنس قرآن کے بیان کی تائید کرتی ہے۔

۹۔ غزوات و سرایا کے سلسلہ میں جو آیات اور سورتیں ہیں، ان کا تاریخی پس منظر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

۱۰۔ حواشی کا انداز اپنایا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ تفسیر دراصل تفسیر ابن کثیر کا سلیس، سادہ اور مختصر خلاصہ ہے۔ یہ برصغیر کے معروف تفسیری رجحان یعنی جامع تفسیری رجحان کا ایک اہم نمونہ ہے۔ تعلیمی و تدریسی اور درسی ضروریات کو پورا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس میں مصنف موصوف نے اسلوب و انداز تحریر میں اول تا آخر یکسانیت برقرار رکھی ہے جو اس تفسیر کے حسن میں اضافے کا باعث ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ کیلانی، عبدالرحمٰن: تیسیر القرآن، ۱/ ۶۔۷
۲۔ البقرۃ ۲: ۲۳۸
۳۔ تیسیر القرآن، ۱/ ۱۹۰
۴۔ البقرہ: ۲: ۲۳۸
۵۔ تیسیر القرآن، ۱/ ۱۹۸
۶۔ نفس مصدر، ۱/ ۲۰۰۔۲۰۱
۷۔ البقرہ:۲ : ۲۶۰
۸۔ تیسیر القرآن، ۱/ ۲۰۹

۹۔ البقرہ: ۲: ۴۵

۱۰۔ النساء: ۴: ۲۹

۱۱۔ تیسیر القرآن،۱/ ۳۸۶۔۳۹۲

۱۲۔ ن م ،۱/ ۵۷۸۔۵۷۷ ۱۳۔ المائدہ: ۵ : ۶۷

۱۴۔ تیسیر القرآن،۱/ ۵۵۸

۱۵۔ المومنون: ۲۳: ۱۰۴

۱۶۔ تیسیر القرآن،۳/ ۲۲۲

۱۷۔ المومنون: ۲۳: ۷۷

۱۸۔ تیسیر القرآن،۳/ ۲۱۴۔۲۱۵

۱۹۔ المومنون: ۲۳: ۱۰۸

۲۰۔ تیسیر القرآن،۳/ ۲۲۲ مزید مثالوں کے لیے دیکھیے !تیسیر القرآن،۳/ ۳۵۴

۲۱۔ النمل: ۲۷ : ۱۹

۲۲۔ کیلانی: ۲/ ۱۴۵

۲۳۔ الحج۲۲: ۲۲

۲۴۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۳/ ۱۵۲

۲۵۔ صٓ۳۸: ۵۷

۲۶۔ البقرہ: ۲ : ۲۵۸

۲۷۔ کیلانی: تیسیر القرآن ۱/ ۲۰۶

۲۸۔ کیلانی: تیسیر القرآن ۱/ ۶۴۶۔۶۴۷

۲۹۔ پرویز، غلام احمد: مفہوم القرآن ۱۰۳

۳۰۔ کیلانی: تیسیر القرآن ۱/ ۲۱۰۔۲۱۱

۳۱۔ الانبیاء۲۱ :۶۹

۳۲۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۳/ ۱۱۶

۳۳۔ کیلانی: تیسیر القرآن ۳/ ۱۱۶

۳۴۔ البقرہ۲ : ۳۶

۳۵۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۶۲۔۶۴

۳۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں صفحات،۶۴۔۶۷

۳۷۔ النمل: ۲۷: ۱۸

۳۸۔ تیسیر القرآن،۳/ ۳۸۱

۳۹۔ الانعام: ۶: ۸۲

۴۰۔ تیسیر القرآن،۱/ ۶۳۰

۴۱۔ البقرہ:۲ : ۲۳۴

۴۲۔ تیسیر القرآن،۱/ ۱۸۸

۴۳۔ البقرہ: ۲: ۲۳۷

۴۴۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۱۹۱

۴۵۔ المائدہ۵: ۴

۴۶۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۵۰۲

۴۷۔ المائدہ۵: ۴

۴۸۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۵۰۲۔۵۰۳

۴۹۔ المائدہ۵: ۳۸

۵۰۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۵۳۳۔۵۳۴

۵۱۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۶۶۴۔۶۶۵

۵۲۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۳۸۲

۵۳۔ النساء۴: ۲۴

۵۴۔ کیلانی: تیسیر القرآن،۱/ ۳۸۳

۵۵۔ نفس مصدر

۵۶۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۲/ ۳۵

۵۷۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۵۳۵

۵۸۔ البقرہ ۲: ۳۷

۵۹۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱ / ۶۸۔۶۹

۵۹۔ الف۔ نفس مصدر

۶۰۔ الحج ۲۲ : ۱۷

۶۱۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۳ / ۱۷۹

۶۲۔ الانعام ۶: ۱۳۸

۶۳۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۶۶۳۔۶۶۲ ۶۴۔ المائدہ ۵: ۱۵

۶۵۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۵۱۶

۶۶۔ نفس مصدر، ۱/ ۵۱۶۔۵۱۷

۶۷۔ نفس مصدر، ۱/ ۵۱۸۔۵۲۰

۶۸۔ الانعام: ۶: ۱۱۶

۶۹۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۶۵۱

۷۰۔ البقرہ ۲: ۱۰۶

۷۱۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۹۶۔۹۷

۷۲۔ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۴۹۵

۷۳۔ دیکھیے! تفہیم القرآن، ۱/ ۴۳۷۔۴۳۸

۷۴۔ دیکھیے! تفہیم القرآن، ۱/ ۴۳۸؛ کیلانی: تیسیر القرآن، ۱/ ۴۹۷